ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.2(2024)
(April to June)

نیر مسعود بہ طور فکشنی کردار(انیس اشفاق کی کہانی "آئینہ گر" کے تناظر میں)

Nayyar Masud As a Character of Fiction(In the perspective of Anis Ashfaq's story "Aaena Gar"

ڈاکٹر محمد ارسلان

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر نازیہ سحر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور

Dr. Muhammad Arsalan
Assistant Professor, Department of Urdu, GC University, Lahore
Dr. Nazia Sahar
Assistant professor. Department of Urdu, Islamia College University Peshawar.

Abstract:
Nayyar masud is a renowned writer of Urdu literature.His stories has been translated in more than twenty different International languages.But seldom critics know about the fact about him, that he had also been made a core character of Anees Ashfaq's short story "Aaena Ger" back in 1984 as historical fiction. The story describes him not directly but indirectly with some explicit and obvious clues and Inklings. This story also unfolds some rare and interesting biographical informations about him. The article deals with unfolding of such facts along with the description of historical fiction and its techniques.

Keywords: Nayyar masud, Urdu literature, seldom critics, Ashfaq's short story, story describes

ہمارے ادب کی تاریخ میں ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی تخلیق کار یا افسانہ نگار کو خود فکشن کا کردار بنا کر پیش کیا جائے۔ کلاسیکی شعرا اور ناول نگاروں (مثلاً رتن ناتھ سرشار) پر معدودے چند تاریخی افسانے تو لکھے گئے ہیں، لیکن ان کو کسی طور بدیعی (The created) فکشن کے کردار نہیں قرار دیا جا سکتا جس میں ان کی از سر نو تخلیق یا پیدائش ہوتی ہے اور وہ اس حد تک خود مختار (اور بعض اوقات سرکش بھی) ہوتے ہیں کہ بسا اوقات مصنف کو اپنی مرضی سے لے کر چلنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر دستوفیسکی کے مشہور ناول، "جرم و سزا" کے مرکزی کردار رسکولنیکوف کے بارے میں چیخوف کا کہنا تھا کہ اگر وہ اس کردار کو ناول کے صفحے پر نہ اتارتا، تو دنیا اس نوع کی مخلوق کو کبھی دیکھ ہی نہ پاتی۔(۱) جب چیخوف کی اس بات پر کچھ حلقوں سے اعتراض ہوا تو ٹالسٹائی نے اپنا مشہور زمانہ جملہ لکھا، اس نے کہا:

> "آپ کہتے ہیں کہ دستوفیسکی نے اپنے ہیروؤں کے پردے میں خود کو پیش کیا ہے اور یہ تصور کیا ہے کہ سبھی لوگ اس طرح کے ہوتے ہیں تو کیا ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان غیر معمولی شخصیتوں میں نا صرف ہم اپنے کو، بل کہ غیر ملکی بھی خود کو پہچانتے ہیں اور اپنی روح کو دیکھتے ہیں۔"(۲)

افسانے کی نظری تاریخ میں اس بات پر بحثیں تو شد و مد سے ملتی ہیں کہ افسانہ نگار لازماً کسی نہ کسی طور قاری کی راہنمائی اور دماغی سمت نمائی کے جبر (Determinism) کا مرتکب ہوتا ہے بل کہ شمس الرحمن فاروقی کے بقول افسانہ نگار قاری کی گردن پر جھولتا رہتا ہے،(۳) لیکن اس نقطہ نظر کے علی الرغم اس بات کو کم ہی زیر بحث لایا گیا ہے کہ افسانے کا کوئی کردار (یہ راوی اور متکلم بھی ہو سکتا ہے) اس حد تک توانا اور منہ زور بھی ہو سکتا ہے کہ خود مصنف اور کہانی کی زمام سنبھال لے۔ ظاہر ہے ایسے کردار کی تخلیق بہت مشکل ہوتی ہے، اور اگر ایک بار ایسا فاعل (Subject) جنم لے لے، تو کہانی کی تقدیر ڈرامائی حد تک زیر و بم کا شکار ہوتی ہے۔ فلابئر، جس کو ناول کی تاریخ کا شاید سب سے بڑا نام سمجھا جاتا ہے، اس نے بھی آخری دور میں اپنے دوست کے نام اس جبر کا اظہار کیا ہے۔ اس نے اسی احساس کے تحت کہا تھا کہ ایسی تخلیق کرنا اس کی تمنا ہے، جو محض نفی کے بارے میں ہو یعنی کسی چیز یا کردار کے بارے میں نہ ہو۔(۴)

فلابئر نے اس پیچیدگی کو اس کی انتہا پر جا کر دیکھا ہے۔ اس ضمن میں دستوئیسکی کا بھی کہنا تھا کہ میں اپنے کچھ کرداروں سے تنگ ہوں، وہ میری راہنمائی کرتے ہیں کجا کہ میں انھیں راہ پر چلتا دکھاوں، میں انھیں کچھ بنانا چاہتا تھا اور یہ کچھ بن بیٹھے۔ بیسویں صدی کی بڑی انگریزی ناول نگار ورجینیا وولف نے بھی اس قسم کا گلہ کیا ہے۔(۵)

یہاں پر اس بحث کی تفصیلات اور باریکیوں کو اس لیے اٹھایا گیا ہے کہ تاریخی فکشن کے کرداروں اور بدیعی فکشن کے کرداروں کے درمیان فرق کر کے یہ واضح کیا جا سکے کہ ناقابل شناخت اور ٹھوس کردار کہانی کو چلانے اور اسے غیر متوقع موڑ پر لا سکنے یعنی جبر کرنے کے مرتکب ہونے کا کوں کر زیادہ حوصلہ رکھتے ہیں۔ بات کو بڑھاتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب کوئی کردار تاریخ کی حقیقی شخصیت پر استوار ہوتا ہے تو اس کی شخصیت میں اس کے حقیقی پن کے شائبے اور کنایے (Inklings) لازما در آتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر یہ تمنا کی جائے کہ کردار تاریخی ہو کر بھی اپنے اندر بنیادی تبدیلوں کا حوالہ اور ظرف رکھیں تو ضرورت یہ ہے کہ ان کو ناقابل شناخت ہونے سے بچایا جا سکے، یعنی وہ چیزیں جو کسی بھی انسان یا کردار کی واضح پہچان کا باعث بنتی ہیں، اسے ان سے دور رکھا جائے (واضح ہو کہ محروم نہیں، دور رکھنے کی بات ہوئی ہے) مثلاً نام، اس کا سماجی کردار (Social Role)، معروف تفاعل، قدر و قامت یا ایسے امتیازات جو اس شخص کی حقیقی زندگی سے جڑے ہوں۔ ان لطیف خیالات کو ذہن میں رکھے بغیر کسی حقیقی کردار کو فکشن کی دنیا کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا۔

نیر مسعود کے کردار کو فکشن کے پیرائے میں دیکھنے کے حوالے سے ان کے قریب قریب تمام ناقدین سے ایک دل چسپ لیکن کم شناسا گوشہ نظر انداز ہوا ہے اور وہ یہ کہ فکشن کی دنیا میں انمٹ نام حاصل کرنے سے پہلے وہ خود کسی بڑے افسانے کا کردار بھی رہے ہیں، لیکن ایسا کردار جسے واضح علامتوں کی بجائے، آس پاس کے لطائف اور مناسبات سے پہچانا جا سکے۔ ہماری مراد انیس اشفاق کے نہایت اہم افسانے "آئینہ گر" سے ہے۔ انیس اشفاق کی ناول نگاری کی روز افزوں شہرت، "دکھارے" کا ہاتھوں ہاتھ لیے جانا، "خواب سراب" کی بجا و مسکت پذیرائی (اب یہ ناول ساہتیہ ایوارڈ بھی حاصل کر چکا ہے) اور "پری ناز اور پرندے" کے تاریخی فکشن میں مقام و مرتبے نے ان کے افسانوی مجموعے کو نسبتاً لوگوں کے ذہنوں میں محو کر دیا ہے۔ حالاں کہ یہ مختصر مجموعہ لازما اس قابل ہے کہ اردو افسانے کی تاریخ میں جاوید رہے گا۔ اس مختصر مجموعے کا نام "کتبے پڑھنے والے" ہے, چوں کہ یہ مجموعہ پاکستان سے نہیں چھپا صرف ہندوستان ہی سے شائع ہوا ہے، لہذا پاکستان کا قاری اس مجموعے سے زیادہ آگاہ نہیں ہے۔ ہندوستان سے اس کی پہلی اشاعت

۲۰۱۵ء میں ہوئی، اس کے ناشر خود انیس اشفاق ہی۔ اس ۱۸۲ صفحات کی کتاب میں کل آٹھ افسانے شامل ہیں۔ مجموعہ انتظار حسین کے نام معنون ہے۔

تمام افسانوں کے آغاز سے پہلے نیر مسعود ہی کی فکشنی تکنیک کے مطابق ایک فارسی اور ایک انگریزی شعر پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انتخاب قطعی طور پر الل ٹپ نہیں بل کہ ان کا افسانے کے خیال یا تکنیک سے گہرا داخلہ انسلاک رکھتا ہے۔ نیر مسعود نے جس طور کی کہانی کو اردو میں رائج کیا، اس میں اردو کے سہل پسند قاری کے لیے انھوں نے براہ راست متن میں تفہیمی و تعبیری سہولت پیدا کرنے کی بجائے، انھوں نے اس کے خیال، پیچیدگی یا تعقید (Complex) کو افسانے سے پہلے کے اس فارسی و انگریزی شعری انتخاب کی صورت میں سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ جدید تنقید اسے پیراٹیکس (Paratext) سے منسوب کرتی ہے۔ بہر حال انیس اشفاق نے اس افسانے سے پہلے پیراٹیکس کے طور پر یہ تحریر کیا ہے:

"آئینہ نقش بند طلسم خیال ماست
تصویر خود بہ لوح دگر می کشیم ما
(جو آئینہ ہم دیکھ رہے ہیں وہ خیال کے طلسم کو مجسم نہیں کر سکتا اور اسی لیے ہم اپنی تصویر ایک اور لوح پر کھینچ رہے ہیں)

اس شعر کے بعد بودلیئر کا یہ وحشتناک قول نقل کیا گیا ہے:

"I have nurtured my hysteria with delight and terror"(۶)

یہ دونوں ہی آئینہ گر کے متن سے راست اور معکوس دونوں حوالوں سے فنی علاوہ رکھتے ہیں۔ انیس اشفاق سے ٹیلی فونیک رابطے پر انھوں نے راقم کو یہ اطلاع بہم پہنچائی کہ یہ افسانہ پہلی بار ۱۹۴۸ء میں لکھا گیا تھا اور اسی سال مالیگاؤں کے معروف جریدے "جواز" میں چھپا۔ افسانہ میں کہانی کے متکلم (جو مختلف قرینوں سے جامعہ کا پروفیسر ہے) کا چہرہ خوفناک اور دہشتناک طور پر بگڑنا شروع ہوتا ہے۔ وہ پہلے پہل سمجھتا ہے کہ یہ خراب آئینے کی وجہ سے ہے، نتیجتاً وہ درست آئینہ کی چھان پھٹک کرتا ہے، اس کی جانچ پڑتال کے بعد جب اسے اس میں کوئی نقص معلوم نہیں ہوتا تو وہ بازار نیا آئینہ خریدنے چلا جاتا ہے، بالکل ویسے جیسے غالب نے نیا ساغر خریدنے کے لیے خیال کا فرس دوڑایا تھا:

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغر جم سے مرا جام سفال اچھا ہے

کہانی کی ابتدائی سطریں ملاحظہ ہوں:

"اس نے ایک بار پھر آئینے میں اپنے آپ کو غور سے دیکھا لیکن اسے یقین نہیں آیا۔ اس نے آئینے کو دیوار سے اتارا، اسے اچھی طرح صاف کیا اور جب وہ پوری طرح چمکنے لگا تو پھر سے خود کو دیکھنا شروع کر دیا۔ لیکن آئینہ صاف کرنے کے بعد بھی عکس میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔۔۔۔۔ اس نے آئینے کو شک کی نگاہ سے دیکھا، دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد اس نے آئینے کو

دیوار سے اتارا، اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اس کی سطح پر ہاتھ پھیرا، پشت پر اس کی پالش کا معائنہ کیا لیکن آئینے میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی "(۷)

بازار میں ایک دوکان سے دوسری میں گھومنے کے بعد کوئی آئینہ اس کی نظر میں نہیں جچتا، بل کہ ہر آئینے میں وہی چہرے کا نقص دکھائی دیتا ہے، وہ دکان داروں سے اس کا گلا کرنے کے بعد گھر واپسی کو پر تولتا ہے، دکان دار حیرت سے اس کی طرف دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ گھر آنے کے بعد بھی آٹھ پہر وہ اپنی آنے والی زندگی کا سوچ کر غم سے آدھارہ جاتا ہے۔ نیند بھی انھی خوفناک خیالات اور خوابوں (Anxiety Dreams) سے مملو ہوتی ہے۔ افسانے کے اس مقام پر متکلم کو اس شخص سے ملنے کا خیال آتا ہے، جس کے بارے میں وہ ایک ہی صفحہ پہلے یہ لفظ استعمال کر چکا ہے:

"جب شام پوری طرح پھیل گئی تو اس نے سوچا اب اس طرف چلا جائے جہاں پہنچ کر اس اذیت سے نجات مل سکتی ہے۔"(۸)

اب وہ حقیقتاً اس غیر معلوم لیکن منتظر شخص کو ملنے جاتا ہے۔ افسانے کے عجیب و غریب پلاٹ نے اب تک قاری کے ذہن میں ایسی دل چسپی پیدا کر دی ہے کہ وہ یہ جاننے کا مشتاق ہے کہ وہ شخص کون ہے جس کے پاس نامانوس مسئلے کا علاج موجود ہے۔ نامعلوم شخص کے گھر کو یوں دکھایا گیا ہے:

"یہ رومی طرز کی ایک سفید عمارت تھی۔ عمارت کے بیرونی دروازے سے گزر کر وہ اس دروازے کی طرف آیا جس کے دوسری طرف کا حصہ اس دروازے سے صاف نظر آتا تھا۔۔۔۔ یہ دروازہ عموماً مقفل رہتا تھا اور اس وقت بھی تالا پڑا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ واپس لوٹ جائے ملاقات کا یہ وقت مناسب نہیں۔ لیکن اسی وقت دروازے کے دوسری طرف برآمدے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور برآمدہ روشن ہو گیا۔ روشنی دیکھ کر اس میں حوصلہ پیدا ہوا اور وہ پھر برآمدے تک پہنچ گیا۔

اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی:

"تمثال"

کوئی جواب نہیں ملا

اس نے ذرا بلند آواز سے پکارا:

"تمثال"

اب کے اس کی آواز پر ایک بچی آئی لیکن اسے دیکھتے ہی چیخ مار کر اندر بھاگ گئی.(۹)

اس عبارت کو غور سے دیکھنے، اس کی متنی تحلیل اور اس کے آئندہ آنے والے حصوں کی تعبیر کرنے کے بعد الم نشرح ہوتا ہے، یہ عمارت اور کوئی عمارت نہیں بل کہ خود ادبستان ہے، اور اس سے نکلنے والی بچی (جو غالباً نیر مسعود کی چھوٹی بیٹی صائمہ کا روپ ہے) اپنے بھائی تمثال کے ساتھ نیر مسعود کے اس گھرانے ہی کی نمائندہ ہے جو نا صرف ادبستان کا مکین تھا، بل کہ لوگوں کی مشکلیں دور کرنے کا مرکز بھی۔ انیس اشفاق نے اپنے اس افسانے کے لکھے جانے کے پینتیس برس بعد مرحوم نیر مسعود پر جو کتاب "نیر دوران" کے عنوان سے لکھی، اس میں وضاحت اور مثالوں کے ساتھ لکھا ہے، کہ لوگ نیر مسعود کے پاس اپنے آپ ے مسائل کا حل

ڈھونڈنے اور نت نئے خیالات کی توثیق کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان مسائل میں میں حکمت، عمل، علم الاعداد، فقہ، تاریخ اور کئی ایسے مرموز علوم بھی تھے جن کا شاید کوئی مصدقہ نام بھی نہیں۔ یہ سارے علوم اپنی تخلیقی شان کے ساتھ خود ان کے افسانوں اور ان کے مندرجات میں بھی در آئے ہیں۔ کہانی کی طرف واپس لوٹتے ہیں۔ بچی کے دور جانے اور پر اسرار شخص کے نا ملنے کے بعد، متکلم اسے خط لکھنے کا سوچتا ہے۔ خط کا متن پڑھنے کے بعد، اس شخص کے کنایوں اور مناسبتوں سے نیر مسعود کے ثابت ہو جانے پر مہر ثبت ہو جاتی ہے، خط کا متن ملاحظہ ہو:

> "دوسرے علوم کی طرح چونکہ حکمت میں بھی آپ کو خاصا دخل ہے اس لیے آپ یہ ضرور بتا دیتے کہ ایسا کیوں ہوا ہے لیکن صائمہ کے ڈر جانے کی وجہ سے میں نے آپ سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا آپ خواہ مخواہ اس بات کا برا مان جاتے اگر صائمہ نہ بھی ڈرتی تب بھی آپ ناراض ہو جانے کا اندیشہ تھا کیونکہ میں ناوقت آپ کے پاس پہنچا تھا"(۱۱)

اس پیراگراف میں بہت سی باتیں غور طلب ہیں:

اول: حکمت کے علاوہ دوسرے علوم میں درک، یہ نیر مسعود کی سوانح سے بھی ظاہر ہے،" نیر دوراں "میں جا بجا ایسے واقعات نقل کیے گئے ہیں، دوسرا خود ان کے افسانے پڑھ کر بھی اس بات پر یقین آجاتا ہے ہے کہ وہ حکمت اور دیگر بہت سے علوم پر دسترس رکھتے ہیں، مثال کے طور پر سیمیا اور عطر کا فورہی کو دیکھ لیجیے، ان میں ان کی سوانح کا پرتو نظر آتا ہے۔ دوم: اس پیراگراف میں بچی کا باقاعدہ اور پہلی بار نام استعمال ہوا ہے یعنی صائمہ، صائمہ کے ڈر جانے سے پر اسرار شخص کے خفا ہو جانے کا خوف، اس شخص کی صائمہ سے محبت اور لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ نیر مسعود کی وفات کے بعد ہونے والی کانفرنس میں ان کی چھوٹی بیٹی (جس کا نام بھی صائمہ ہے) نے ان کے بارے میں لکھتی ہیں:

> "باقی لوگوں کے لیے وہ کچھ بھی ہوں، میرے لیے تو وہ ناز برداریاں اٹھانے والے بے مثل والد تھے، اتوار کی صبح میرے لیے آپ ہی آپ اٹھتے، شیر مال کے درمیاں تازہ بالائی لگا کر میرے بستر پر لاتے، اور خوب پیار سے کھلاتے، میری خفگی سے بچنے کے لیے ساروں کی خفگی مول لیتے"(۱۱)

صائمہ کی اس بات اور خط کے متن کے درمیان واضح مطابقت پیدا کی جاسکتی ہے۔

سوم: میں ناوقت آپ کے پاس پہنچا تھا اس کے معنی کچھ اسی شخص پر کھل سکتے ہیں جو نیر مسعود کی ذاتی زندگی سے بہت آگاہ ہو، نیر مسعود اپنی ذاتی زندگی میں بہت عبادت گزار، لمبی لمبی دعائیں پڑھنے اور وظیفے کرنے والے انسان تھے۔ "نیر دوراں" میں انیس اشفاق نے لکھا ہے کہ وہ مغرب کے بعد کسی سے حتی کہ قریبی لوگوں سے ملنا بھی ناپسند کرتے، ایک دوبار میں ان کے گھر بے وقت چلا بھی گیا تو انھوں نے خاصا ڈانٹ کر مراجعت کی راہ دکھلائی۔ ان کی زندگی کو دیکھتے ہوئے وہ اس حدیث کی عملی تفسیر معلوم ہوتے لا مجلس بعد العشاء۔(۱۲)

ان کے مذہبی ہونے کا ثبوت، ان کی تحریروں سے بھی منکشف ہے، مثلاً کیسری کشور کے خاکے میں دعائے جوشن کی ذیل میں دیے گئے واقعات بھی ہمارے دعوے پر دال ہیں۔ بہر صورت، دوبارا کہانی کی طرف پلٹتے ہیں، کہانی کا متکلم یہ خط ڈاک کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کے بعد تفکرات میں مبتلا ہو جاتا ہے، اگلے دن اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات سے جامعہ جاتا ہے لیکن جماعت میں لڑکے

اسے دیکھتے ہی چیخ مارتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں، یہ بھی اپنی اس ہیئت کذائی کے عالم میں گھر بھاگ نکلتا ہے، ایک ندائے ہاتف کہتی ہے اس کے گھر جاؤ جس کے گھر کل گئے تھے، نتیجے میں وہ پھر اسی در پر چلا جاتا ہے۔

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

ملاحظہ ہو:

"اس کی نظر داخلی دروازے سے ہوتی ہوئی عمارت کے اندرونی حصے تک پہنچ گئی۔ وہاں صائمہ اور تمثال کوئی کھیل کھیل رہے تھے۔ صائمہ کو دیکھ کر اسے اطمینان بھی ہوا اور خوشی بھی۔ اس کے جی میں آیا کہ وہ تمثال کو آواز دے کر اپنے قریب بلائے اور جب صائمہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئے تو اسے پکڑ کر اس کی چھوٹی سی ہتھیلی پر کوئی نقش بنادے۔ یہ کام وہ اکثر کیا کرتا تھا"(۱۳)

"نیر دوراں" ہی میں لکھا ہے کہ انیس اشفاق نیر مسعود کی چھوٹی بیٹی سے بہت محبت کرتے تھے اور اسے خوب صورت خوب صورت ناموں سے پکار کر اس کی دل چسپی کا سامان پیدا کیا کرتے تھے۔ بل کہ انیس اشفاق نے اپنی اولاد کا نام بھی نیر مسعود کے مشورے سے ہوا۔(۱۴)

اس کے بعد افسانے میں متکلم خود آئینہ بنانے کا سوچتا ہے، اور بازار سے سامان لانے سے پہلے اس سفید عمارت والے پراسرار شخص کو دوبارہ خط لکھنے کی سوچتا ہے۔ چھوٹے سے افسانے میں اپنے مسائل کے لئے لیے پے بہ پے اس شخص سے رجوع کرنا سمجھاتا ہے کہ متکلم کے لیے وہ شخص کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ دوسرے خط کے متن میں وہ اسے اپنی بیماری کی نوعیت کا بتاتا ہے اور یہ بھی کہ ایک ندائے غیبی نے اسے حکیموں سے ملنے کا مشورہ دیا ہے۔ متواتر لکھے گئے خطوط اور ان کے عدم جواب سے متکلم کو یہ خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ شخص ناراض تو نہیں۔ اس سوچ بچار سے پہلے وہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ ان تمام مسائل کا حل کہیں نہ کہیں اسی شخص کے پاس موجود ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"سفید عمارت والے شخص کا جواب ابھی تک نہیں آیا تھا اس شہر میں وہ سفید عمارت والے شخص ہی کو سب سے بہتر جانتا تھا وہ جس حکیم کو بتاتا اسی سے وہ علاج کر آتا۔ لیکن اس نے دونوں خط کے جواب میں خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ "کہیں وہ مجھ سے ناراض تو نہیں" اس نے سوچا اور اس کا جسم ٹھنڈا پڑنے لگا۔

"شاید وہ بھی مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے" اسی لئے اب تک اس نے ختم کا جواب نہیں دیا. مجھے آج پھر اس کی طرف جانا چاہئے اور حکیم کے بارے میں مشورہ کرنا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی وہ سفید عمارت کی طرف جانے کی تیاری کرنے لگا۔ گھر سے باہر نکل کر جب وہ سفید عمارت کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ عمارت کے کے صدر دروازے پر پر ایک بوڑھا شخص کھڑا ہے جس کے ہاتھوں میں خوبصورت سی چھڑی ہے وہ بار بار اسے ہلاتا اور کبھی کبھی اس سے دروازے کے بائیں طرف لگی پیڑ کی پتیوں سے وار کر دیتا۔ پیڑ کی شاخوں سے زرد پتیاں ٹوٹ کر زمین پر گرنے لگتیں اور وہ انہیں زمین سے اٹھا کر اپنی جیب میں بھر لیتا۔ اسے بوڑھے شخص کا یہ عمل بہت انوکھا معلوم ہوا جب وہ صدر دروازے کے قریب پہنچا تو وہ شخص اسے غور سے دیکھنے لگا بوڑھے کی آنکھوں میں

دوسروں کو خوفزدہ کر دینے والی چمک تھی۔ وہ زیادہ دیر تک بوڑھے کی متجسس نگاہوں کی تاب نہ لا سکا۔"(۱۵)

یہ بوڑھا شخص اس خراب ہوتے چہرے والے آدمی کو مخصوص حکیم سے ملنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ حکیم اپنے تئیں نوادرات میں سے ہے، اس کے ملنے کا پتا، کہیں دور ہے، آبادی سے ہٹ کے اس کے مطب کی عمارت سیاہ رنگ کی ہے، طرہ یہ کہ حکیم صاحب لوگوں کے سامنے نہیں آتے، بل کہ پردے کے پیچھے سے مخاطب ہوتے ہیں، البتہ ان کا معاون بیماری کی تفصیلات و جزئیات لکھی ہوئی صورت میں ان تک لے جاتے ہیں۔ متکلم وہاں پر جن بیمار لوگوں کو دیکھتا ہے، وہ بیماریاں بھی ایسی گھناؤنی اور ناقابل مشاہدہ ہیں، کہ جسم پر بچھو چلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، ملاحظہ ہو:

"ایک مریض کے سینے پر بہت گہرا زخم تھا اور وہ معاون سے بار بار پانی مانگ رہا تھا۔ ایک کی گردن اکڑی ہوئی تھی اور آدھی سے زیادہ زبان کٹی ہوئی تھی۔ ایک مریض کی آنکھ میں زخم تھا جس کی وجہ سے اس کی بصارت زائل ہو گئی تھی۔"(۱۶)

ان عجیب و غریب مریضوں کے مابین متکلم بھی اپنے بگڑتے ہوئے نقوش کے ہمراہ بیٹھتا ہے۔ سارے مریضوں کے مرض اور ان کی تفصیل کو باریکی ءمشاہدہ کے ساتھ پیش کرنے کے بعد اس کی باری پر حکیم اسے ایک ہفتے بعد آنے کا حکم دیتا ہے۔ اس بھید بھری عمارت سے نکلنے کے بعد متکلم دوبارا سفید مکان والے شخص کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن حسب سابق وہاں شنوائی نہیں ہوتی، یہاں وہ سخت پریشانی کے عالم میں انھیں تیسرا خط لکھتا ہے۔ یہ خدشہ، کہ وہ شخص بھی اس سے خفا نہ ہو گیا ہو، اسے مزید نڈھال کر دیتا ہے۔ خطوط لکھنے کے دوران کی شدت اور ان کی طرف سے جواب کی طلبہ ظاہر کرتی ہے کہ اس پراسرار نامعلوم فرد کا کوئی نہ کوئی ایسا رشتہ ناطہ ضرور ہے، جس کی وجہ۔ سے یا تو وہ مکتوب نگار کے مسئلے کی اصل وجہ جانتا ہے، یا اس کے پاس اس کا حل موجود ہے۔ دونوں صورتوں میں پراسرار آدمی کی روحانی والوہی جہات سامنے آتی ہیں۔ نیر مسعود کے بارے میں آسمانی وروحانی اور پراسرار و ہوائی باتیں کرنے والوں کی کمی نہیں۔ شمس الرحمن فاروقی کے بقول ان کے افسانوں میں مستقل طور پر ایک menace کی فضا پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاروقی صاحب نے کہا تھا کہ اگر مجھے نیر مسعود کی کہانیوں کا راوی ملے تو اسے بہت پیٹوں۔(۱۷)

دوسرا یہ کہ نیر مسعود نے ساگری سین گپتا کو دیے گئے اپنے انٹرویو میں بہت سی مافوق العادہ باتوں اور واقعات کا ذکر کیا ہے اور اپنی زندگی کو somnambulism سے منسوب کیا ہے۔ آئینہ گر میں بھی اس پراسرار آدمی کی یہ ساری نشانیاں پوری ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ تیسرے خط کے بعد جب حکیم صاحب سے دوبارا رجوع کیا جاتا ہے اور دوا کی یافت کے بعد وہ سفید عمارت کا رخ کرتا ہے، تو وہاں پر ایک مزید انجانے کردار کے ساتھ اس کا یہ مکالمہ ہوتا ہے:

"کون؟" روشنی کرنے والے نے سامنے آئے بغیر پوچھا

جواب میں اس نے اپنا نام اور آمد کا سبب بتایا

"وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتے"

"کیوں" اس نے سبب جاننا چاہا

"انکار کر دیا ہے اور وہ اب وہ آپ سے نہیں ملیں گے" روشنی کرنے والے نے ملاقات نہ کرنے والے کا سبب بتائے بغیر روشنی گل کر دی۔"(۱۸)

اس کے بعد متکلم اپنے جسم پر بچھو، سانپ، کن کھجورے (اس کا ذکر خود نیر مسعود کی کہانیوں میں بھی ملتا ہے) چلتے محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے اور خوف کے مارے۔ بندر بن جاتا ہے، اس مقام پر تنگ آ کر وہ پاگلوں کی طرح ایک مثالی آئینہ بنانے لگتا ہے، دن رات کی محنت کے بعد جب وہ آئینہ تیار ہوتا ہے تو اس میں اس کا اپنا عکس تو درست معلوم ہونے لگتا ہے لیکن مکان کی باقی ہر چیز اپنی ہیئت کھو دیتی ہے اور اس کے اندر اسرار کا ایک جہان آباد نظر آتا ہے۔ متکلم اس آئینے کو لے کر بازار جاتا ہے، آئینہ گر کو دکھاتا ہے، وہ اس میں شکل دیکھتے ہی چیخ مارتا ہے اور گر جاتا ہے، آس پاس کے لوگ بھی اس میں عکس دیکھ کر چیخیں مارنے لگتے ہیں، متکلم اس آئینے کو لے کر گھر دوڑتا ہے اور دیوار پر لگاتا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے وہ پتھر کا بن جاتا ہے۔ اس عجیب و غریب اور کسی حد تک تلمیحی و علامتی افسانے کے بارے میں کسی قدر تفصیلی بات کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس مقام پر ہمارا تمام تر مسئلہ یعنی concern نیر مسعود کے کردار سے ہے۔

ہمارے خیال میں مرموز و غائب کردار کی شخصیت، ان کا لوگوں کے مسئلوں میں روشن مینار کی حیثیت اختیار کیے رکھنا اور قبح دنیا و زندگی سے دور رہنا، ایسی خاص اور واضح علامتیں ہیں جو نیر مسعود سے خاص الخاص طور پر مخصوص ہیں۔ مزید ان کے بیٹے بیٹی کے نام، ادبستان کی عمارت، اور اس عمارت کے باہر کھڑے روحانی یا الوہی بوڑھے کی موجودگی علامتی طور پر مسعود حسن رضوی ادیب کی طرف بھی اشارا کرتی ہے۔ افسانے کی فضا میں چھائی ہوئی بیماری اور طب، بھی نیر مسعود کے افسانے اور سوانح کے ساتھ واضح مناسبت رکھتی ہے۔ نیر مسعود کے دادا مرتضی حسین خود حکیم تھے اور اپنی ہی تیار کردہ دوا کی زیادہ مقدار کھا کر نافوق الفطرت حالات میں فوت ہوئے نیر مسعود نے جگہ جگہ ان کے اس واقعے کو خاص اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (۱۹)

یہ ان کے لاشعوری تطابق یعنی Mental adjustment کی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ بہر صورت یہ اردو کی تاریخ میں وہ پہلا افسانہ ہے جس میں نیر مسعود جیسے بے مثال کہانی کار کو خود کہانی کا حصہ بنایا ہے۔ یہ کردار انیس اشفاق کے ناول "پری ناز اور پرندے" میں مزید وسعت گیر صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نیر مسعود نے بھی عمر میمن کے نام اپنے خطوط میں دو سے تین بار انیس اشفاق کے اس افسانے کو عمدہ قرار دیا ہے۔ (۲۰)

حوالہ جات

۱۔ ظ انصاری، چے خف، ماسکو، دارالاشاعت ماسکو، ۱۹۷۶ء، ص:۶۷

۲۔ مجیب، محمد، روسی ادب، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ زبان اردو، ص:۱۴۰

۳۔ فاروقی، شمس الرحمن، افسانے کی حمایت میں، کراچی، شہرزاد، ۲۰۱۴ء، ص:۱۳۷

۴۔ ایضاص:۱۴۳

Mary Lyon,Virgina Woolf,London: Paramount publishers, P 80, 1982.5

۶۔ انیس اشفاق، کتبے پڑھنے والے، لکھنؤ، انیس اشفاق، ۲۰۱۵ء، ص:۷۰

۷۔ ایضا، ص:۷۱

۸۔ ایضا، ص:۶۷

۹۔ ایضا، ص:۶۷

۱۰۔ انیس اشفاق، نیر دوراں، ص:۸

۱۱۔ انیس اشفاق، کتبے پڑھنے والے، لکھنؤ، انیس اشفاق، ۲۰۱۵ء، ص:۷۸

۱۲۔ انیس اشفاق، نیر دوراں، دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۸، ص:۱۲

۱۳۔ ایضاص:۲۰

۱۴۔ انیس اشفاق، کتبے پڑھنے والے، لکھنؤ، انیس اشفاق، ۲۰۱۸ء، ص:۸۲

۱۵۔ ایضا، ص:۸۵

۱۶۔ ایضا، ص:۸۸

۱۷۔ نیر مسعود، منتخب مضامین، کراچی، آج، ۲۰۰۹ء، ص:۴۳۸

۱۸۔ انیس اشفاق، کتبے پڑھنے والے، لکھنؤ، انیس اشفاق، ۲۰۱۱ء، ص:۲

۱۹۔ نیر مسعود، خطوط مشاہیر بہ نام مسعود حسن رضوی ادیب (مرتبہ)، لکھنو، میر اکاڈمی، ۱۹۸۶ء، ص:۸

۲۰۔ تمثال مسعود (مرتبہ) مراسلت، کراچی، آج کی کتابیں، ۲۰۲۲ء، ص:۴۱

References in Roman Script:

1. Za Ansari, Chekov, Moscow, Dar-ul-Ishaat, Moscow, 1976, p.76
2. Muhaib, Muhammad, Rusi Adab, Delhi,Qaumi Council Braye Farogh Zuban, p. 140
3. Farooqi, Shamsur Rahman,Afsanay ki Hamait Mien , Karachi, Shahrzad, 2014, p: 137
4. Ibid, p: 143
5. Mary Levin, Virgina Woolf, London, Paramount Publishers, p80, 1982
6. Anees Ashfaq, Katbay Pahrnay Walay, Lucknow, Anees Ashfaq, 2015, p: 70
7. Ibid, p: 71
8. Ibid, p: 76
9. Ibid, p: 76
10. Anees Ashfaq, Nayyer Duraan, p.8
11. Anees Ashfaq, Katbay Pahrnay Walay, Lucknow, Anees Ashfaq, 2015, p.78
12. Anees Ashfaq, Nayyer Doraan, Delhi, Ghalib Institute, 2018, p: 12
13. Ibid, p:20
14. Anees Ashfaq, Katbay Pahrnay Walay, Lucknow, Anees Ashfaq, 2018, p.82
15. Ibid, p: 85
16. Ibid, p: 88
17. Nair Masood, Selected Essays, Karachi, Aaj, 2009, p: 438
18. Anees Ashfaq, Katbay Pahrnay Walay, Lucknow, Anees Ashfaq, 2011, p.2
19. Nir Masood, Khatoot Masahir Ba Naam Masood Hasan Rizvi Adib (Musannaf), Lucknow, Mir Academy, 1986, p: 8
20. The example of Masoud (times) post, Karachi, Aaj ki books, 2022, p: 41